۷

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

انسانیّت کے محسنِ اعظمؐ
اور
شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض

حضرت مولانا مد ظلہ کا یہ مقالہ اردو میں ۲۲؍ اگست ۱۹۸۹ء کو اسلامک اسٹڈیز سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ میں پڑھا گیا۔ اور ۲۶؍ اگست کو لندن کے بین الاقوامی اسلامک سنٹر پارک روڈ میں مختلف ملکوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ایک عظیم مجمع کے سامنے عربی، اردو تقریروں اور تشریح و ترجمانی کے ساتھ پیش کیا گیا جسے ہم ھدیۂ ناظرین کر رہے ھیں۔

حضرات! یہ دنیا جس میں ہم آپ بس رہے ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنے عقیدہ، ذوق، صلاحیت اور وسائل وامکانات کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں اور اپنے وطنوں (اور اس سے آگے بڑھ کر) اپنے ہمعصروں کے ساتھ مہذب اور شریفانہ اور پرسکون اور خوشگوار زندگی گذار رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ تعلیمی و تدریسی تصنیفی و تحقیقی، تجرباتی و انکشافاتی میدان میں بھی اپنے اپنے درجہ اور حوصلہ کے مطابق حصہ لیتے ہیں اور اس زندگی اور اس کے ماحول کو اس سے بہتر، اس سے زیادہ محفوظ و پرامن اس سے زیادہ خوشگوار اور پرسکون اور اس سے زیادہ ترقی و معیاری بنانے کی امنگ اور خواہش رکھتے ہیں، یہ دنیا اور یہ کرۂ ارض جس پر ہم رہتے بستے ہیں، ہمیشہ سے ایسا معتدل، پرسکون، سنجیدہ و باوقار، متحمل و روادار، فکری و تعمیری خدمات انجام دینے، اپنے اپنے عقیدہ و مسلک کے مطابق زندگی گذارنے، ایک دوسرے کا احترام و اعتراف کرنے اور بقائے باہم (CO-EXISTENCE) کے لئے ہمیشہ تیار نہیں تھا۔

اس زمین پر بسنے والی نسلِ انسانی کئی بار خودکشی اور خود سوزی کے لئے تیار اور کمربستہ پائی گئی۔ اس دنیا کی تاریخ میں کئی دور ایسے گذرے ہیں کہ اس نسلِ انسانی نے زندہ اور باقی رہنے کا استحقاق کھو دیا اور اس نے باشعور اور باضمیر انسانوں کے بجائے غیر ذوی عقل جانوروں اور خونخوار و آدم خور درندوں کی شکل اختیار کرلی۔ تہذیب و تمدن، علم و ہنر، اخلاق و اقدار، نظام و قانون، اصول و ضوابط، سب پر ایک احتضار (عالم سکرات) کی کیفیت طاری ہوگئی۔

سب جانتے ہیں کہ تاریخ کی تدوین کا کام بہت دیر سے شروع ہوا۔ اور "ماقبل تاریخ" کا دور "مابعد تاریخ" کے دور سے کہیں زیادہ طویل اور وسیع گذرا ہے۔ پھر زوالِ آدمیت اور دورِ وحشت کی داستان کچھ ایسی خوشگوار اور قابلِ فخر بھی نہیں تھی کہ اس کو پیش کرنے میں مصنفین اور مؤرخین اپنی صلاحیتیں صرف کریں۔ اس لئے ہمیں بڑے بڑے طویل وقفوں کے بعد انسانی معاشرہ، تہذیب و تمدن اور حکومتوں اور نظامہائے مملکت کے زوال کے بارے میں تاریخی شہادتیں تاریخ عالم کے صفحات پر بکھری ہوئی ملتی ہیں۔ اور ان کا سلسلہ زیادہ تر پانچویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ ان میں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مشہور انگریز مصنف H. G. WELLS ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کے ذکر میں اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> "سائنس اور سیاست دونوں ان برسرِ پیکار اور زوال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سو چکے تھے۔ ایتھنس ATHENS کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک (جو اس پر مسلط کر دی گئی تھی) عہد قدیم کے ادبی سرمایہ کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا۔ لیکن اب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو عہدِ قدیم کے شرفا کی طرح جری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا اور قدما کی تحریروں کی طرح تلاش و تحقیق یا جرأت مندانہ اظہارِ خیال کا داعی ہوتا۔
>
> اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی و سماجی افراتفری تھی۔ لیکن ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں ذہنِ انسانی کند اور بنجر ہو چکا تھا۔ ایران اور بازنطینہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور دورہ تھا۔ دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں آزادانہ اظہارِ خیال پر کڑے پہرے بٹھا

دیئے گئے تھے[1]

بازنطینی شہنشاہی پر ایرانی شہنشاہی کے حملے اور بازنطینیوں کی فتح کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں سماجی و اخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا ہے :۔

" اگر کوئی سیاسی پیش گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا۔ مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا نہ اتحاد۔ بازنطینی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تُلی ہوئی تھیں۔ ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا"[2]

رابرٹ بری فالٹ (ROBERT BRIFFAULT) لکھتا ہے ۔

پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی۔ اس دور کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی۔ کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی۔ جو سڑ گئی ہو۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے۔ اور اس پر زوال کی مُہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا۔ جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا[3]

قدیم مذاہب نے جس تہذیب کو پروان چڑھایا تھا اس کے زوال کے بارے میں جے ایچ ڈینی سن J.H. DENISON لکھتا ہے :۔

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانہ پر کھڑی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے وہ منتشر ہونے والی ہے۔ اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹنے والا ہے۔

1۔ H.G. WELLS, A SHORT HISTORY OF THE WORLD (LONDON-1924) PP.140-41

2۔ A SHORT HISTORY OF THE WORLD (LONDON-1924) P.144

3۔ ROBERT BRIFFAULT THE MAKING OF HUMANITY (LONDON-1919) P.164

> جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جاتے۔ اور امن و امان معدوم ہو جاتے۔ پرانے قبائلی نظام کی توانائی ختم ہو چکی تھی۔ عیسائیت نے جو روایات قائم کی تھیں وہ اتحاد و نظم کے بجائے تفرقہ اور تباہی کی جانب لے جا رہی تھیں۔ یہ زمانہ المناک تھا۔ تہذیب جو ایک تناور درخت کی طرح ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لئے ہوئے تھی اور جس کی شاخیں علم و فن اور ادب کے زریں پھل دے چکی تھیں بربادی کے قریب تھی۔ اس کے تنے کو گھن لگ چکا تھا۔[1]

نسل انسانی اور تہذیب و تمدن کی اس جاں کنی کے عالم میں جزیرۃ العرب میں خدا نے ایک انسان کو پیدا کیا اور نوعِ انسانی کو نہ صرف بچانے بلکہ انسانیت کے اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچانے کا دشوار ترین کام سپرد کیا۔ جو مورخوں کے وسیع تجربے اور شاعروں کے بلند تخیل سے بھی فزوں تر تھا۔ اور اگر اس کے لئے ناقابل انکار تاریخی شہادتیں اور تواتر نہ ہوتا تو اس کا یقین کرنا بھی مشکل تھا۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جو چھٹی صدی مسیحی میں ظہور میں آئی۔ آپ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ نے اس تلوار کو جو نوعِ انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے، ہٹا لیا۔ اور اس کو وہ تحفے عطا کئے جنہوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی منزل سفر عطا کی۔ اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب و تمدن علم و فن، روحانیت و اخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ انہوں نے انسانی معاشرہ کو ایک ایسا جذبہ عطا کیا جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تہذیب و تمدن کی تعمیر و ترقی کا دارومدار ہے۔ وہ قیمتی سرمایہ ہے بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ، اور شر کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع و ترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم۔ انسان کی تمام ترقیات، سربلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب یہی مقدس جذبہ اور مبارک عزم ہے کیونکہ تمام اسباب و وسائل، ساز و سامان اور تجربہ و تحقیق کے ادارے، انسان کے عزم و ارادہ کے تابع ہیں۔ انہوں نے قساوت و بہیمیت کو رحمت و رافت اور شرافت و انسانیت میں بدل دیا۔ انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی۔ اس کے لئے مسلسل و متواتر جدوجہد جاری رکھی۔ عیش و آرام

---

1. DENISON. J.H EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION (LONDON-1928) P. 265

کی پروا نہیں کی۔ عزت و وقار کا خیال نہیں کیا حتی کہ اپنے جسم و جان کی بھی فکر نہیں کی۔

اس مسلسل و جانکاہ محنت و مشقت کے نتیجے میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور بھیانک کالے دل والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہو گئی جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دلکشی و رعنائی آ گئی جو رفعت و منزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے تباہ و برباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و طاقت پیدا ہوئی۔ بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی فضاؤں میں رحم و کرم کی خنکی چھا گئی۔ الفت و محبت کی خوشبو پھیل گئی۔ سعادت کا بازار گرم ہو گیا۔ دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں۔ ایمان و یقین کی عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں۔ انسانی نفوس ہوا و ہوس کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھنچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے۔

ہم اختصار اور انتخاب کے طور پر ان چند بنیادی اور قیمتی عطیوں کا ذکر کریں گے جن کا نوع انسانی کی راہنمائی، اصلاح و فلاح اور تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار رہا ہے۔ اور جنہوں نے ایک زندہ اور درخشندہ دنیا کی تخلیق و تشکیل کی ہے جو کہنہ اور زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔

وہ عطیات GIFTS درج ذیل ہیں۔

۱۔ صاف اور واضح عقیدۂ توحید۔

۲۔ انسانی وحدت و مساوات کا تصور۔

۳۔ انسانیت کے شرف اور انسان کی عزت و بلندی کا اعلان۔

۴۔ عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی اور اس کے حقوق کی بازیابی۔

۵۔ ناامیدی اور بدفالی کی تردید اور نفسیات انسانی میں حوصلہ مندی اور اعتماد و افتخار کی آمیزش۔

۶۔ دین و دنیا کا اجتماع اور حریف و برسر جنگ انسانی طبقات کی وحدت۔

۷۔ دین و علم کے درمیان مقدس و دائمی رشتہ کا قیام و استحکام۔ اور ایک کی قسمت کو دوسرے کی قسمت سے وابستہ کر دینا۔ علم کی تکریم و تعظیم اور اسے بامقصد مفید اور خدارسی کا ذریعہ بنانے کی سعی مسعود

۸۔ عقل سے دینی معاملات میں بھی کام لینے، فائدہ اٹھانے اور انفس و آفاق میں غور و فکر کی ترغیب۔

۹۔ امتِ اسلامیہ کو دنیا کی نگرانی و رہنمائی، انفرادی و اجتماعی اخلاق و رجحانات کے احتساب، دنیا میں انصاف کے قیام اور شہادتِ حق کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔

۱۰۔ عالمگیر اعتقادی و تہذیبی وحدت کا قیام۔

اب ہم اپنی طرف سے زیادہ کہنے اور تشریح کرنے کے بجائے چند مستند مغربی مفکرین و مصنفین اور ادبا و مورخین کے تاثرات و اعترافات پیش کرتے ہیں۔ اس مہذب دنیا کی جن چند چیزوں سے آبرو قائم ہے اور جن کی بدولت تہذیب، تاریخ، اخلاقیات اور ادب و شاعری تک کی قدر و قیمت باقی ہے۔ وہ ناقابلِ انکار حقائق و واقعات کا اظہار و اعترافِ جوہر و کمال کی قدردانی اور محسنوں کا تشکر اور احسان مندی ہے اور جس دن ہماری یہ دنیا، ہماری ادبیات، ہمارا اخلاقی نظام۔ اور ہماری ادبی صلاحیت اور اظہارِ خیال کی آزادی اس شریفانہ عنصر سے محروم اور عاری ہوجائے گی اس دنیا میں رہنے اور بسنے کی لذت و عزت جاتی رہے گی۔ اور دنیا چوپایوں اور درندوں کی ایک بستی بن جائے گی۔ جہاں سوائے پیٹ بھر لینے۔ اپنی سفلی خواہشات کی تکمیل اور ہوا و ہوس کے سوا کوئی محرک طاقت نہیں ہوگی۔ اور جہاں استاد و شاگرد۔ لینے والے اور دینے والے۔ معالج و مریض حتیٰ کہ مادر و پدر و فرزند کے درمیان رشتہ اور محافظ و رہزن کے فرق کا احساس بھی جاتا رہے گا۔

اسی فطری جذبہ احسان مندی کے بارے میں "انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس" کے مقالہ نگار ولیم، ایچ، ڈیوڈسن WILLIAM H. DAVIDSON کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک فطری اور عالمگیر انسانی جوہر ہے جس کو ہر زمانہ میں زندہ رہنا چاہئیے۔

مقالہ نگار لکھتا ہے:۔

> "بقول تھامس براؤن THOMAS BROWN جذبہ تشکر محبت کے اس فرحت بخش جذبہ کا نام ہے جو ہم کسی دوسرے سے فائدہ پہنچنے پر محسوس کرتے ہیں۔ یہ احساس بذاتِ خود اس منفعت کا ایک جُز ہے جس سے ہم مستفید ہوتے ہیں۔
>
> احسان مندی کسی مہربانی کا ردِعمل ہے۔ جو پورے خلوص اور انبساط کے ساتھ واقع ہوتا ہے یہ ردِعمل فوری اور فطری ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ فطرتِ انسانی کی تشکیل کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان محبت و یگانگت اس کی بنیادی

صفت ہے اور نفرت و دشمنی (اپنی تمام علامتوں کے ساتھ) غیر فطری اور مخرب اخلاق ہے ۔" [1]

اس اخلاقی پستی ۔ دنائتِ طبع، ضمیر کے مردہ و مفلوج ہونے اور شرافتِ انسانی کے آخری اثر سے محروم ہو جانے کا سب سے بڑا مظہر ۔ مذہبی پیشواؤں ۔ معمارانِ انسانیت اور محسنینِ عالم کی نہ صرف احسان فراموشی بلکہ ان کے بارے میں وہ زبان و اسلوب اختیار کرنا ہے جو پست سے پست انسانوں کے بارے میں بھی روا نہیں ہے ۔ اور جس سے نہ صرف ان کے کروڑوں ماننے والوں اور ان پر جان قربان کرنے والوں کے دل و دماغ مجروح ہوتے ہیں، بلکہ حقائق کا بھی خون ہوتا ہے ۔ اور دیکھنے والی آنکھوں میں خاک جھونکی جاتی ہے ۔ کسی شریف معاشرہ اور کسی مہذب ملک کو بھی ایسے دنی الطبع، ضمیر فروش، احسان فراموش اور غیر مہذب انسانوں کو برداشت نہیں کرنا چاہیئے ۔

اس کے مقابلہ میں ہم اس مغربی دنیا کے (جہاں ہم اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں) چند ترقی یافتہ اور مثالی ملکوں کے منصف مزاج حقیقت پسند اور بلند پایہ مصنفین اور ادیبوں کے تاثرات اور خیالات پیش کرتے ہیں ۔

فرانس کا مشہور ادیب لیمر ٹائن LAMARTINE نبوتِ محمدی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے ۔

"کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد منتخب نہیں کیا ۔ اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا ۔ توہمات اور خوش اعتقادیوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں ۔ زیر و زبر کرنا ۔ انسان کو خدا کے حوالے کرنا اور خدا کی چوکھٹ پر انسان کو لانا ۔ اس زمانہ کی اصنام پرستی کے مادی خداؤں کی جگہ خدا واحد کے پاکیزہ اور عقلی تصور کو از سرِ نو بحال کرنا ۔ یہ تھا وہ عظیم مقصد ـــ کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کا جو کسی بھی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا ۔ اتنے کمزور ذرائع کے ساتھ بیڑا نہیں اٹھایا ۔

خدا کی توحید کا ایسے دور میں اعلان کرنا جب کہ دنیا لاتعداد ضمنی خداؤں کی

---

[1] ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS EDINBURG-1913 VOL6, P. 391

پرستش کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی۔ بذاتِ خود ایک قوی معجزہ تھا۔ محمدؐ کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدہ کا اعلان ہوا۔ بتوں کے تمام قدیم معبدوں میں خاک اڑنے لگی۔ اور ایک تہائی دنیا ایمانی حرارت سے لبریز ہوگئی"۔[۱]

جان ولیم ڈریپر JOHN WILLIAM DRAPER یورپ کی ذہنی و علمی تاریخ کے ضمن میں لکھتا ہے۔

"۵۶۹ء جسٹینین JUSTINIAN کی موت کے چار سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص پیدا ہوا جس نے نسلِ انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا"[۲]

وہ مزید لکھتا ہے۔

"محمدؐ میں وہ صفات جمع ہوگئی تھیں جنہوں نے ایک سے زائد بار سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے مابعد الطبیعات کے بیکار مباحث میں پڑنے کے بجائے لافانی صداقتوں پر زور دیا۔ اور اپنے آپ کو صفائی ستھرائی، سنجیدگی، روزے اور نماز کے ذریعہ لوگوں کی سماجی ترقی کے لئے وقف کر دیا"[۳]

اس صدی کا عظیم مؤرخ ٹائن بی TOYNBEE لکھتا ہے۔

"مسلمانوں میں نسلی امتیاز کا مکمل خاتمہ اسلام کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ موجودہ دنیا کی جو حالت ہے اس میں اسلام کی اس خصوصیت کی تبلیغ و اشاعت کی اہم ترین ضرورت ہے"[۴]

(جاری ہے)

۱۔ لیمرٹائن LAMARTINE ہسٹری ڈی لاٹرکی ج ۲، ص ۲۷۶-۲۷۷ پیرس ۱۸۵۴ء

HISTOIRE DE LATURQUIE, PARIS-1854 VOL 2, PP. 276-277

۲۔ JOHN WILLAM DRAPER, AHISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF THE EUROE, LONDON-1875 VOL. I. P 229

۳۔ IBID P. 330

۴۔ TOYNBEE A.J. CIVILIZATION ON TRIAL NEW YORK-1948, P. 205